ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، علّامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

پاکستانی اردو غزل: رجحانات اور امکانات

Dr. Arshad Mahmood Nashad

Asst. Professor, Department of Urdu, AIOU, Islamabad

Pakistani Urdu Ghazal: Trends and Prospects

Ghazal is a representative genre of Eastern Literature. Ghazal is being written in Urdu for centuries, and hence, has a well established tradition. It is distinct in that it has the potential to adopt itself to the needs of every age. This is the reason why in eastern literature it is thought of as the essence of all poetry. In the present article a comprehensive view of the journey Urdu Ghazal in Pakistani era has covered, has been presented.

The Ghazal written in Pakistan enjoys a unique status because of its quality, quantity, vocabulary, uniqueness topic and style.

In the article under view, an effort has been made to highlight the trends that help establish a unique identity of Pakistani Ghazal. The article also points to the influences of different movements and ideologies that Pakistani Ghazal shows traces of.

غزل کو مشرقی ادبیات میں منفرد اور بے مثل صنفِ سخن کی حیثیت حاصل ہے۔ فارسی اور اُردو کے شعری سرمائے میں غزل کا حصّہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے دوسری اصناف پر فضیلت رکھتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے تک شاعری اور غزل باہم مترادف کے طور پر مستعمل رہے ہیں۔ غزل بہ ظاہر آسان مگر بہ باطن مشکل ترین اور پیچیدہ صنفِ سخن ہے۔ فراق گورکھ پوری نے غزل کو انتہاؤں کا سلسلہ قرار دیا ہے۔ اس صنف نے ہمیشہ اپنے مخصوص مزاج، موضوعات، لفظیات اور ہیئت کی نگہ داری اور پاس داری کی ہے اور مشکل حالات میں بھی اس نے اپنے تشخص کو قائم رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالف ہواؤں میں بھی اس کا چراغ روشن رہا ہے۔ غزل نے حالات کے ہر تقاضے اور زمانے کی ہر کروٹ کو محسوس کیا اور اپنے مزاج کا خیال رکھتے ہوئے اپنے اسلوبی، موضوعاتی، تکنیکی اور فنی دائرے کو وسعت آشنا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عشق و محبت کے خیالی فسانوں اور زلف و رخ کی مدح سرائیوں کے محدود منطقے سے سفر آغاز کرنی والی اس صنف کے دامن میں آج حیات و کائنات

کے تمام تر رنگ جھلملاتے دکھائی دیتے ہیں۔اس کا سفر خوب سے خوب تر کی جستجو میں نامعلوم زمینوں اور نئے زمانوں میں اپنے خوش سلیقگی کا جادو جگاتا اور دلوں کے تاروں کو چھیڑتا دکھائی دیتا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں غزل کے پاکستانی دور کا اجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔پاکستان میں غزل نے اظہار و بیان کے جن قرینوں کو چُنا اور اسالیب، موضوعات، تکنیک اور لفظیات کے جن منطقوں میں قدم دھرا، ان کے اجمالی نقوش یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔اُردو غزل کا یہ ساٹھ سالہ سفر معیار اور مقدار ہر دو لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔اس عرصے میں نظم کی مقبولیت کے باوجود غزل کی ہر دل عزیزی میں اضافہ ہوا۔پاکستان کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں نے غزل کو نئے موضوعات اور مختلف فنی ذائقوں سے روشناس کرایا۔اس میں کلام نہیں پاکستان میں اُردو غزل کا سفر اس صنف کی تابانی، درخشندگی اور ہمہ رنگی کا امین ہے۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے نتیجے میں ایسے روح فرسا اور قیامت خیز واقعات رونما ہوئے جن کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔ ہندو مسلم فسادات کے الاؤ میں ہزاروں افراد اپنی جنم بھومی سے بہ چشمِ نم رخصت ہوئے لیکن راستے ہی میں ہزاروں خاندان لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا نشانہ بنے۔ان روح فرسا اور دل دوز واقعات نے ہندو پاک کے عوام پر گہرے اثرات مرتب کیے۔خوف و ہراس کی ایک ایسی فضا پیدا ہوئی جس نے دیر تک لوگوں کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں رکھا۔مسلمانانِ ہند نے تحریکِ آزادی کے لیے قدم قدم پر قربانیاں دی تھیں۔ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو انھیں اپنے خواب تعبیر آشنا ہوتے دکھائی دیے۔وہ خاک وخون کا دریا عبور کر کے پاکستان پہنچے تو ان کی پیشانیوں میں روشن مستقبل کے خواب چمک رہے تھے لیکن بدقسمتی سے انھیں بہت جلد ایسے حالات سے گزرنا پڑا جن کے باعث ان کی امیدوں نے دم توڑ دیا۔مایوسی اور ناامیدی کے ان لمحوں میں ہجرت کا دکھ اور گزرے ہوئے زمانے کی یادیں لودے اٹھیں۔ پاکستانی غزل کے اس ابتدائی دور میں اضطراب اور بے چینی کی یہی فضا دکھائی دیتی ہے۔شعرا نے فسادات کے خلاف شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ ان کی غزل میں جلی ہوئی بستیوں اور تباہ شدہ گھروں کی کرب ناکی کے منظر ابھرے جو حزن و یاس کی فضا کو اور زیادہ گہرا کر گئے۔ماضی کی یادوں، اقدار کی شکست و ریخت، گم شدہ رفاقتوں اور خوابوں کی شکستگی نے غزل کے دائرۂ موضوعات کو بڑھا دیا۔

کس قدر تاریکیوں میں آ گئے
ہم گجر بجنے سے دھوکا کھا گئے — احمد ندیم قاسمی

☆

بازار بند، راستے سنسان، بے چراغ
وہ رات ہے کہ گھر سے نکلتا نہیں کوئی — ناصر کاظمی

☆

کاروانوں میں شورِ منزل تھا
آئی منزل تو سب نے ہاتھ ملے — احسان دانش

☆

برسوں کا آج بھی ہے وہی بار دوش پر
سنتے تھے ہم کہ طوق غلامی کے کٹ گئے — حافظ لدھیانوی

☆

ہر گام پہ مسلے ہوئے کچھ پھول ملے ہیں
ایسے تو مرے دوست گلستاں نہیں ہوتے احمد فرازؔ

☆

ہر آنسو میں آتش کی آمیزش ہے
دل میں شاید آگ کا دریا بہتا ہے ظہیرؔ کاشمیری

قیامِ پاکستان کے بعد بڑھتے ہوئے سیاسی عدم استحکام، معاشی ناہمواری اور دیگر معاشرتی اور سماجی مسائل نے لوگوں پر یہ واضح کر دیا کہ یہ سیاسی آزادی غریبوں اور عام لوگوں کے لیے محض ایک دھوکا ہے۔ لوگوں نے نئی مملکت کے جو خواب آنکھوں میں سجا رکھے تھے وہ کرچی کرچی ہو کر ٹوٹے۔ اس صورتِ حال میں انھیں اپنی قربانیوں کے رائیگاں جانے کا شدید احساس پیدا ہوا:

دیکھو تو فریبِ موسمِ گل
ہر زخم پہ پھول کا گماں ہے باقیؔ صدیقی

☆

جلوۂ صبح کا اندھوں میں تو ہے جوش و خروش
آنکھ والوں کو وہی رات نظر آتی ہے حفیظؔ جالندھری

☆

ابھی بادبان کو تہ رکھو، ابھی مضطرب ہے رخِ ہوا
کسی راستے میں ہے منتظر ، وہ سکوں جو آ کے چلا گیا فیض احمد فیضؔ

قیامِ پاکستان کے بعد ترقی پسند شعرا نے ماحول کی گھٹن، معاشرتی ناآسودگی اور استحصالی رویوں پر کھل کر لکھا مگر بہت جلد ان کا یہ جوش و جذبہ ماند پڑ گیا؛ ۱۹۵۱ء میں راول پنڈی سازش کیس میں فیض، سجاد ظہیر اور دوسرے ترقی پسند شعرا گرفتار ہوئے تو اس تنظیم کا وجود بکھرنے لگا۔ ترقی پسند شعرا کے نزدیک ادب چوں کہ خیالات و نظریات کا ایک ذریعہ ہے اس لیے ترقی پسندوں نے اپنی تنظیم کے منشور کو نظم کرنے پر زیادہ زور دیا۔ اولاً انھوں نے اپنے مقاصد کے لیے نظم کے پیمانے کو استعمال کیا مگر بعد میں وہ غزل کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ پاکستان کے ترقی پسند غزل گو شاعروں میں فیض احمد فیضؔ، احمد ندیم قاسمیؔ، ظہیرؔ کاشمیری، فارغؔ بخاری اور اداؔ جعفری کے نام نمایاں ہیں۔ یہ شعرا انقلابی نظریات کے باوجود فنی اظہار میں کلاسیکی تھے۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ ترقی پسند شعرا نے غزل کے دائرے میں کچھ ایسے عناصر شامل کر دیے جو غزل کے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے۔ جیسے: غزل میں ایسی لفظیات کو رواج دیا جو ان کے انقلابی نظریات کے اظہار کے لیے تو شاید موزوں تھی مگر اجنبیت اور غیریت کے سبب غزل کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ مسلک کی پابندی اور نظریے کی جبریت نے غزل کے دائرہ موضوعات کو محدود کر دیا اور نعرہ بازی اور پروپیگنڈہ نے تغزل کے حسن کو مجروح کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود غزل کو اظہار کا ایک نیا قرینہ ملا۔ انقلابی نظریات و افکار نے غزل کا رشتہ زندگی کے خارجی عناصر سے جوڑا۔ احتجاج اور مزاحمت کے رویوں نے غزل کو انقلاب آشنا کیا، گل و بلبل اور زلف و رخسار کے خیالی افسانوں کی جگہ مزدوروں، کسانوں اور پسے ہوئے طبقات کے مسائل کی شمولیت نے غزل کو واقعیت اور حقیقت کا ترجمان بنا دیا۔

ترقی پسند شاعروں میں فیض احمد فیضؔ کا مقام سب سے بلند ہے۔ انھوں نے اگرچہ بہت کم غزلیں کہی ہیں تاہم آزادی کے بعد غزل کی مقبولیت میں ان کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ فیضؔ نے غالبؔ، سوداؔ اور دیگر کلاسیکی شعرا سے استفادہ کیا اور ان کے رنگِ سخن کو اپنے تخلیقی

مزاج کا حصہ بنالیا یہی وجہ ہے کہ فیضؔ اپنے تمام تر ترقی پسندانہ نظریات کے باوجود ایک روایتی شاعر ہیں۔انھوں نے اردو اور فارسی شاعری کے استعارات، علائم اور تراکیب کو نئے سیاسی ذائقوں سے روشناس کر کے ان کے مفاہیم و معانی کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔نظیر صدیقی نے فیضؔ کے حوالے سے لکھا:

وہ (فیض) واحد ترقی پسند شاعر ہیں، جن کی ترقی پسندی سے شاعری کو اور جن کی شاعری سے ترقی پسندی کو برابر فائدہ پہنچا ہے۔ (۱)

فیضؔ کی شاعری حقیقت اور رومان کا ایک حسین امتزاج ہے؛ ان کی غزل میں معاشرتی ناآسودگی، بے چینی اور استحصال زدہ طبقوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ جمال یار کے خوش رنگ منظر بھی موجود ہیں:

ان کا آنچل ہے کہ رخسار کا پیراہن ہے
کچھ تو ہے جس سے ہوئی جاتی ہے چلمن رنگیں

☆

ہم صبح گلستاں ہے ترا نقشِ بہاریں
ہر پھول تری یاد کا نقشِ کفِ پا ہے

☆

یہ جفائے غم کا چارہ، وہ نجاتِ دل کا عالم
ترا حسن دستِ عیسیٰ، تری یاد روئے مریم

☆

احمد ندیم قاسمی کا شمار بھی صفِ اوّل کے ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے۔انھوں نے محدود ترقی پسندانہ نظریات سے آگے بڑھ کر حیات و کائنات کے گوناگوں مظاہر کو اپنی غزل میں پیش کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل یکساں اور یک رنگ نہیں بل کہ ہمہ رنگ اور متنوع دکھائی دیتی ہے۔ندیمؔ کی غزل میں زندگی اپنے پورے خدوخال کے ساتھ متشکل ہوئی ہے۔ان کا اسلوبِ غزل جمالیاتی اور رومانی ہے۔

ہم گونج ہیں سازِ ارتقا کی
گونجیں گے ابھی زماں زماں ہم

☆

چاند جب دور افق میں ڈوبا
تیرے لہجے کی تھکن یاد آئی
کسی کی زلف بھی منت پذیرِ شانہ سہی
مگر میں گیسوئے گیتی تو پہلے سلجھالوں

ترقی پسند شعرا کے ساتھ ساتھ شاعروں کا ایک دوسرا گروہ بھی تخلیقِ غزل میں مصروف تھا۔اس گروہ میں شامل شعرا باضابطہ طور پر کسی تنظیم سے وابستہ نہ تھے۔ان شعرا میں عابد علی عابدؔ، حفیظ جالندھری، عبدالحمید عدمؔ، احسانؔ دانش، سیمابؔ اکبرآبادی، غلام مصطفیٰ تبسمؔ اور ماہرؔ القادری کے نام نمایاں ہیں۔ان شاعروں کی غزل تقسیمِ ہند کے نتیجے میں ہونے والے فسادات کے اثرات سے کسی حد تک محفوظ ہے۔حالات کی بے چینی، ذہنی کرب اور خوابوں کی شکستگی جیسے موضوعات بھی متذکرہ شعرا کی غزل میں کم کم دکھائی دیتے ہیں۔حالاں کہ اس دور کی

غزل کے یہ نمایاں موضوعات ہیں۔ان شاعروں نے کلاسیکی پیمانوں اور روایتی موضوعات کو نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جدید غزل نے ان شاعروں سے بھی کسبِ فیض کیا ہے:

دمِ رخصت وہ چپ رہے عابدؔ
آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل سید عابد علی عابدؔ

☆

ہر ایک نقش پہ تھا تیرے نقشِ پا کا گماں
قدم قدم پہ تری رہ گزر سے گزرے ہیں غلام مصطفیٰ تبسمؔ

☆

یہ زندگی فریبِ مسلسل نہ ہو کہیں
شاید اسیرِ دامِ بلا ہو گیا ہوں میں حفیظؔ جالندھری

☆

ساقی کے التفات سے کچھ بات بن گئی
ورنہ حیات و موت میں کس کو تمیز تھی سید عبدالحمید عدمؔ

☆

حضورِ یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں
کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں محمد دین تاثیرؔ

☆

وصل کا خواب کجا، لذتِ دیدار کجا
ہے غنیمت جو ترا درد بھی حاصل ہو جائے احسان دانشؔ

قیامِ پاکستان سے ۱۹۵۸ء تک کا زمانہ ابتری اور انتشار کا زمانہ ہے اس دور کا غیر مستحکم سیاسی نظاموں نے معاشرے کو کئی مسائل سے دوچار کر دیا جس سے لوگ تہذیبی، معاشرتی اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہوئے؛ معاشی عدم مساوات اور سیاسی جبریت نے خوف و ہراس کی فضا قائم رکھی جس کے باعث شکست و ریخت کو فروغ ملا۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لا کے نفاذ نے صورتِ حال کی سنگینی کو اور زیادہ بڑھاوا دیا۔ آمریت اور جبر و استبداد کے ماحول نے غزل کو ایک نیا طرزِ اظہار دیا۔ خارج سے باطن کی طرف سفر نے غزل کی معنویت اور تہ داری میں اضافہ کیا۔ غزل کی لفظیات اور رموز و علائم نئے ذائقوں سے روشناس ہوئے۔ عدم اطمینان، دربدری، گھٹن، بے گھری اور ہجرت کے موضوعات کو رواج ملا؛ اس دور کی غزل کا انداز دیکھیے:

شاخ ہلی تو ڈر گیا، دھوپ کھلی تو مر گیا
کاش کبھی تو جیتے جی، صبح کا سامنا کروں ظفر اقبال

☆

کیا جانیے منزل ہے کہاں، جاتے ہیں کس سمت

بھٹکی ہوئی اس بھیڑ میں سب سوچ رہے ہیں　　شکیب جلالی

☆

منیرؔ اس ملک پر آسیب کا سایا ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ　　منیر نیازی

☆

جو دورِ خزاں تھا ابھی گزرا بھی نہیں ہے
پیڑوں پہ کہاں پھول کہ پتا بھی نہیں ہے　　صبا اکبر آبادی

☆

پابندیاں تو صرف لگی تھیں زبان پر
محسوس یہ ہوا کہ مرے ہاتھ کٹ گئے　　شہزاد احمد

پاکستان میں ابھرنے والی مختلف ادبی تحریکوں نے بھی اپنے اپنے انداز میں غزل کو متاثر کیا؛ پاکستان کی اہم تحریکات میں حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک، ادبِ اسلامی کی تحریک، پاکستانی ادب کا تحریک اور ارضی وثقافتی تحریک شامل ہیں۔ ان تحریکوں سے وابستہ شعرا نے جدید غزل کو نئے اسالیب سے مالا مال کیا۔ حلقۂ اربابِ ذوق سے وابستہ شعرا کی اکثریت نظم کی طرف متوجہ رہی تاہم میرا جی، قیوم نظر، یوسف ظفر، انجم رومانی اور شہرت بخاری نے غزل کہی اور اس میں ایسے جدید عناصر شامل کیے جن سے غزل کے وقار میں اضافہ ہوا؛ حلقۂ اربابِ ذوق کی غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

''حلقہ اربابِ ذوق کی غزل میں ہیئت کی تقلید تو موجود ہے لیکن اس کی داخلی روح یک سر مختلف ہے۔ حلقے کے شعرا نے عشق کے موضوع کو روایتی انداز میں قبول کرنے کے بجائے اس کی جہت بدل دی؛ زمانے کی مختلف کروٹوں کو بالواسطہ طور پر غزل کا موضوع بنایا اور اس کے لیے علائم ورموز اپنے گردوپیش سے اخذ کیے، چناں چہ جب غزل کو زمین کا لمس نصیب ہوا تو اس کے لہجے میں گھلاوٹ اور نرمی پیدا ہوگئی اور بالخصوص ان بحروں کو قبول عام حاصل ہوا جن میں نغمہ داخلی روح بن کر سما سکتا ہے۔''(۲)

نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا
کیا ہے تیرا کیا ہے میرا، اپنا پرایا بھول گیا　　میرا جی

☆

میل ملاپ کی باتوں میں اب سوچے ہیں دلچسپی لیں
شاید یہ معلوم ہو ہم کو کیوں کر خوئے فراق ہوئی　　مختار صدیقی

☆

گلشن کی شاخ شاخ کو ویراں کیا گیا
یوں بھی علاجِ تنگیِ داماں کیا گیا　　یوسف ظفرؔ

☆

دل سے پوچھو کہ یہ حسرت کشِ ساماں کیوں ہے

جس جگہ غم کا گزر ہے وہ بیاباں کیوں ہے شہرتؔ بخاری

☆

دل سے نکلے تو کچھ لگے دل کی
بات ساری کتاب کی سی ہے انجمؔ رومانی

☆

اک ذات ہے اپنی کہ فقط پیشِ نظر ہے
ہر چند مکیں آئنہ خانے کے نہیں ہم انجمؔ رومانی

☆

ادب اسلامی کی تحریک دراصل ترقی پسند تحریک کے ردِعمل میں سامنے آئی۔ اس تحریک نے ترقی پسندوں کے برعکس زمینی رشتوں کی نفی کر کے ایک ایسے نظام کے نفاذ کی کوششیں کیں جس کی اساس اسلامی تعلیمات پر اٹھائی گئی تھی۔ اس تحریک کے شعرا نے عہدِ موجود کے الحاد، بے دینی، فحاشی اور عریانی کو نشانہ بنایا اور اخلاقیات وصالحیت کے موضوعات کو شاملِ ادب کیا۔ ادبِ اسلامی تحریک سے وابستہ بڑے شاعروں میں مولانا نعیم صدیقی، مولانا ماہر القادری، حفیظ الرحمان احسنؔ، اسد ملتانی، تحسین فراقی، جعفر بلوچ وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ اس تحریک کے زیرِ اثر اردو غزل اسلامی عناصر، استعارات، تلمیحات اور رموز وعلائم سے آشنا ہوئی:

ایمان کی خاموش زبانی پہ نہ جانا
یہ شعلۂ بے باک بجھا ہے نہ بجھے گا ماہر القادری

☆

اخلاص کی روشنی نہیں ہے !
چھانے ہیں دلوں کے میں نے اعماق

☆

رواجِ عام کے سجدوں میں سرفرازی کم
عبودیت مجھے کہتی ہے دار تک پہنچوں نعیم صدیقی

☆

مچی ہوئی ہے شبستانِ ناز میں ہلچل
وہ شورِ حشر مری آہِ بے اثر سے اٹھا حفیظ الرحمان احسنؔ

☆

کمال جس کو سمجھتی ہے دانشِ حاضر
زوالِ حضرتِ انساں ہے قم باذن اللہ یعقوب طاہرؔ

پاکستانی ادب کی تحریک ایک لحاظ سے ترقی پسند تحریک کا ردِعمل ہے؛ جب ترقی پسند تحریک پر پابندی لگی اور اس کا شیرازہ بکھرا تو پاکستانی ادب کی تحریک بھی بے رنگ اور بے اثر ہوتی چلی گئی۔ اگرچہ یہ تحریک زیادہ عرصہ سرگرمِ عمل نہ رہی تاہم اس تحریک کے زیرِ اثر ناصر

کاظمی، احمد مشتاق، سلیم احمد جیسے صفِ اول کے شعرا نے جدید اردو غزل کو نئے ذائقوں اور اسالیب سے آشنا کیا۔ ناصر کاظمی پاکستانی غزل کے وہ رجحان ساز شاعر ہیں جنھوں نے نئے غزل گوؤں پر سب سے زیادہ اثرات مرتب کیے؛ ناصؔر کی غزل گوئی کے حوالے سے معین الدین عقیلؔ رقم طراز ہیں:

ناصؔر کے پاس اظہار کا جو دلآویز سلیقہ تھا وہ جدید ہونے کے ساتھ ساتھ غزل کی کلاسیکی اقدار سے بھی قریب تھا۔ موضوعات میں ناصؔر نے ماضی کی یادوں، قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کے تأثرات، غمِ ذات اور غمِ روزگار کو زیادہ اہمیت دی، ان موضوعات کے اظہار میں ان کی کامیابی شاید اس وجہ سے بھی ہے کہ ان کی شاعرانہ فکر کو مضبوط سماجی بنیادیں ملی ہیں اور داخلی فضا کی تعمیر اور عشقیہ واردات کے بیان میں ان کی شاعری نے نئے نئے پہلو نکالے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی غزلیں تازہ نوائی اور فنی ریاضت کا پتا دیتی ہیں۔'' (۳)

زمیں لوگوں سے خالی ہو رہی ہے
یہ رنگِ آسماں دیکھا نہ جائے

☆

مل ہی جائے گا رفتگاں کا سراغ
یونہی پھرتے رہو اداس اداس

☆

ہم نے روشن کیا معمورۂ غم
ورنہ ہر سمت دھواں تھا پہلے

میں تو بیتے دنوں کی کھوج میں ہوں
تو کہاں تک چلے گا میرے ساتھ

ناصؔر کاظمی نے میرؔ کے اتباع میں غزل کہنے کو رواج دیا۔ اس رجحان کے زیرِ اثر میراجیؔ، مختار صدیقی، ابنِ انشا اور کئی دوسرے رنگِ میرؔ کی بازیافت میں کوشاں رہے؛ عہدِ رواں کا کرب رنگِ میرؔ میں ڈھل کر جدید غزل میں ایک نئے منظر نامے کی تشکیل کا سبب ٹھہرا۔

O

ساٹھ کی دہائی میں غزل نئے رنگوں اور اسالیب سے آشنا ہوئی؛ اس عہد کے نمائندہ شاعروں میں ظفر اقبال، سلیم احمد، شکیب جلالی، شہزاد احمد، منیر نیازی اور احمد فرازؔ کے نام شامل ہیں۔ متذکرہ بالا شعرا نے غزل کو تکنیکی اور فکری اعتبار سے مالا مال کیا؛ غزل کی لفظیات، موضوعات اور اسالیب میں رنگا رنگی نے غزل کے نئے امکانات کو ابھارا؛ بعد کے شعرا نے ان رجحانات کے زیرِ اثر غزل تخلیق کی اور اس کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا۔ ساٹھ کے بعد تخلیق ہونے والی غزل جن نمایاں رجحانات اور رویوں کی عکاس رہی، ذیل میں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

معاشرتی حالات کی ناسازگاری اور حکومتی جبر و استبداد نے ملک میں ایک ایسی فضا قائم کر دی جو خوف و ہراس سے مملو تھی؛ ایسی فضا میں راست اظہار کی بجائے شاعروں نے ذاتی اور قومی مسائل کے اظہار کے لیے استعارات و علامات کا سہارا لیا۔ ساٹھ کی دہائی میں تخلیق ہونے والی غزل تہ داری اور ایمائیت کی خوبیوں سے متصف ہوئی۔ پیکر تراشی اور تصویر سازی کے رجحان نے غزل کے سانچے میں ڈھل کر نئے

آفاق کے طلوع ہونے کی بشارت دی:

وہاں کی روشنیوں نے بھی ظلم ڈھائے بہت
میں اس گلی میں اکیلا تھا اور سائے بہت — شکیب جلالی

☆

میں ڈوبتا جزیرہ تھا موجوں کی مار پر
چاروں طرف ہوا کا سمندر سیاہ تھا — ظفر اقبال

☆

شام ہی سے سو گئے ہیں لوگ آنکھیں موند کر
کس کا دروازہ کھلے گا کس کے گھر جائے گی رات — شہزاد احمد

☆

دیکھ کے زرد رُو پہاڑ ساری تکان اتر گئی
کون زمیں پہ رکھ گیا بارِ سفر اتار کے — احمد مشتاق

☆

لو دے اٹھے چنار کے پھیلے ہوئے درخت
ابھرا جو کل پہاڑ پہ چاند اک چٹان سے — ناصر شہزاد

پیکر تراشی اور تمثیل نگاری نے فرد کا رشتہ تاریخ اور زمیں سے جوڑ دیا۔ غزل میں ایسی علامتیں اور استعارے برتے گئے جو اپنی معاشرت اور تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں؛ ڈاکٹر وزیر آغا کے بہ قول:

جدید تر غزل میں پیڑ، جنگل، پتھر، برف، گھر، شہر، پتے، شاخیں، دھوپ، سورج، دھواں، زمین، آندھی، سانپ، کھڑکی، دیوار، منڈیر، گلی، کبوتر، دھول، رات، چاندنی اور درجنوں دوسرے الفاظ اپنے تازہ علامتی رنگوں میں ابھر آئے۔ ان لفظوں کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ اپنے ماحول کے عکاس ہیں۔۔۔۔ اردو غزل میں غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ شعرا کی ایک پوری جماعت نے اپنے احساسات کو اردگرد کی اشیا، مظاہر اور علائم کی زبان میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔'' (۴)

تہذیبی روایت کے ساتھ جڑت اور اپنے ثقافتی رنگوں کی تلاش میں جدید غزل میں ہندی الفاظ برتنے کا رجحان ابھرا؛ غزل میں ہندی دیو مالائی اشارے اور علائم نئی معنویت کے ساتھ سامنے آئے؛ اگر اس رجحان کو ادبِ اسلامی اور پاکستانی ادب کی تحریکوں کا ردِعمل کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

امبر نے دھرتی پر پھینکی نور کی چھینٹ اداس اداس
آج کی شب تو اندھی شب تھی آج کدھر سے نکلا چاند — ابنِ انشا

☆

سدا سہاگن گوری کو اس سمے سے اب لاج آتی ہے
مست پون کا جھونکا آ کر جب چُنری سرکاتا ہے — تاج سعید

واقعۂ کربلا اور اس کے متعلقات کو بہ طور شعری استعارے کے استعمال کرنے کا رجحان بھی اس دور میں سامنے آیا؛ یہ رجحان تحریکِ ادبِ اسلامی کی توسیعی صورت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع کے دائرے میں سماجی اور عصری صورتِ حال بھی عکس انداز ہوئی اور مختلف زمانوں میں بپا ہونے والی خیر و شر کی آویزش بھی:

سلام ان پہ تہِ تیغ بھی جنہوں نے کیا
جو تیرا حکم جو تیری رضا، جو تو چاہے — مجید امجد

☆

لاہور کہ اہلِ دل کہ جاں تھا
کوفہ کی مثال ہو گیا ہے — شہرت بخاری

☆

زوالِ عصر ہے کوفے میں اور گداگر ہیں
کھلا نہیں کوئی درباب التجا کے سوا — منیر نیازی

سپاہِ شام کے نیزے پہ آفتاب کا سر
کس اہتمام سے پروردگارِ شب نکلا — افتخار عارف

ساٹھ کی دہائی میں غزل میں کئی منفی رجحانات بھی ابھرے۔ اگرچہ یہ رجحانات معاشرتی اور سیاسی صورتِ حال کے خلاف احتجاج کے نتیجے میں سامنے آئے تاہم ان سے غزل کو نقصان پہنچا؛ غزل میں ان رویوں کے بنیاد گزاروں میں سلیم احمد، انجم رومانی اور ظفر اقبال کے نام سرِ فہرست ہیں۔ ان کی کوششوں سے جنسی غزل، ٹیڈی غزل، بے معنی اور اینٹی غزل کے تجربے ہوئے؛ ظفر اقبال نے لسانی توڑ پھوڑ سے غزل کو نیا روپ دینے کی کوشش کی؛ ان کے معاصرین اور بعد کے شعرا نے انھی رویوں کو اپنایا اور غزل کا حلیہ بگاڑا۔

سر منڈاتے ہیں ہم سے آ کے خیال
اپنا پیشہ ہوا ہے حجامی — سلیم احمد

☆

سینگ تو کافی خوبصورت ہیں
دُم ذرا شاعری کی ہے لُنڈی — ظفر اقبال

☆

انھی رویوں کے زیرِ اثر آزاد غزل اور نثری غزل کے رجحانات نے جنم لیا۔ آزاد غزل کو رواج دینے کے لیے اگرچہ بہت کوششیں ہوئیں تاہم اسے قبولِ عام نہ ہو سکا۔ پاکستان میں آزاد غزل کے داعین میں فارغ بخاری، قتیل شفائی، ماجد الباقری، سجاد مرزا، محمد اقبال نجمی اور کئی دوسرے شامل ہیں۔ ان شعرا نے روایتی غزل کی پابندیوں کے خلاف آواز اٹھائی مگر انھوں نے خود جن سانچوں کو متعارف کرایا وہ بھی التزامات کی قیود سے آزاد نہیں۔ رسائل و جرائد اور مجموعوں کی شکل میں شائع ہونے والی آزاد غزلیں عام طور پر پٹے ہوئے موضوعات کی حامل ہیں۔ تعقیدِ لفظی، شُتر گربگی، بے ربطی اور دیگر فنی ناہمواریاں ان میں غزل کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اگر آزاد غزلیں مکمل طور پر فنی نقائص سے پاک اور ندرتِ خیال کی مظہر بھی ہوں تب بھی ان کے ہیئتی ڈھانچے کو غزل کی مروجہ ہیئت کی توسیعی صورت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح

معریٰ غزل اور نثری غزل کے بھی جو نمونے سامنے آئے ہیں؛ ان کی حیثیت بھی غزل کے ساتھ مذاق کی سی ہے۔ ان ہیئتی نمونوں نے جس مضحکہ خیزی کو پروان چڑھایا ہے اس سے غزل کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لیے ان تمام ہیئتی سانچوں میں لکھی جانے والی منظومات کو کوئی بھی نام دیا جائے انہیں کسی طور بھی غزل نہیں کہا جا سکتا۔

ستر کی دہائی میں غزل کے قافلے میں ایسے تازہ کار شعرا شامل ہوئے جنھوں نے فنی اور فکری اعتبار سے غزل کے نکھار بخشا۔ نئے مسائل اور ضرورتوں نے غزل کے دائرہ موضوعات کو وسعت دی۔ ستر کی دہائی میں تخلیق ہونے والی غزل میں اس کرب کا اظہار بھی ملتا ہے جو وطن کے دولخت ہونے کی وجہ سے معاشرے پر محیط ہو گیا تھا اور وہ سرشاری بھی غزل میں در آئی جو بحالیِ جمہوریت اور آزادیِ اظہار کا نتیجہ تھی۔ تاہم یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور پھر وہی پہلی جیسی صورتِ حال پیدا ہو گئی، جس کے نتیجے میں غزل میں مزاحمتی رویہ ابھرا۔ شعرا نے غزل میں سیاسی منظر نامے کو پوری طرح پیش کرنے کی کوشش کی:

کس کے عکس سے بچھڑے تو پھر خبر نہ ہوئی
کہاں گئے وہ بھلا آئنے عجب میرے — جمال احسانی

☆

میں جاؤں گا کسی پھولوں بھرے جزیرے میں
کہ راس آئی نہ یہ ساحلی بہار مجھے — محمد اظہار الحق

☆

تیرے چہرے سے کھلا مجھ سے بچھڑنے کا ملال
شکل اک اور تری شکل کے اندر نکلی — صابر ظفر

☆

ایک اڑتے ہوئے پتے کی طرح
خود کو لمحات کی زد پر دیکھا — ثروت حسین

☆

یہ روپ تو سورج کو بھی حاصل نہیں ہوتا
کچھ دیر رہے صبح کے تارے کی طرح ہم — سعود عثمانی

پاکستانی شاعرات بھی غزل کے اس سفر میں نئے موضوعات اور اچھوتے اسالیب کے ساتھ شامل ہوئیں۔ اردو غزل پہلی بار نسوانی لحن سے آشنا ہوئی۔ گھریلو زندگی کی نادر تصویریں، عورتوں کے مسائل، ان کی نفسیات اور ان کے خیالات نے غزل کے منظر نامے کو ایک نیا رنگ دیا۔ پاکستان کی معروف غزل گو شاعرات میں ادا جعفری، زہرہ نگاہ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین فنا سید، شبنم شکیل، پروین شاکر، عشرت آفریں، شاہدہ حسن اور ثمینہ راجا کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

میں آئینے پہ بھلا اعتبار کیسے کروں
مجھے تو صرف اسی کی نگاہ نے دیکھا — ادا جعفری

☆

کچھ یوں بھی زرد زرد سی ناہید آج تھی
کچھ اوڑھنی کا رنگ بھی کھلتا ہوا نہ تھا　　کشور ناہید

☆

میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے　　پروین شاکر

☆

بوں کو سی لیا تیری رضا سے
مگر اشکوں کو سمجھائیں کہاں تک　　پروین فنا سید

☆

میں نے ان سب چڑیوں کے پر کاٹ دیے
جن کو اپنے اندر اڑتے دیکھا تھا　　شاہدہ حسن

اسّی اور نوّے کی دہائیوں میں جدید تر غزل کے قافلے میں ایسے نوجوان شعرا شامل ہوئے جنھوں نے اپنے منفرد لحن سے غزل کی تاب ناکی میں اضافہ کیا اور اسے اظہار کے نئے امکانات کی بشارت دی۔ اگرچہ ان شعرا کی غزل گوئی ہنوز اپنے تشکیلی دور سے گزر رہی ہے اور غزل میں اپنی واضح شناخت بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے تاہم ان کی فنی بصیرت، موضوعاتی کشادگی اور تکنیکی مہارت غزل کی پوشاک پر وہ گل کاریاں کر رہی ہے جن کی مثال غزل کی تاریخ میں کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ ان تازہ کار شاعروں میں عباس تابش، قمر رضا شہزاد، آفتاب حسین، انجم سلیمی، اختر عثمان، سعود عثمانی، محسن چنگیزی، ضیا الحسن، محمد مختار علی، طارق ہاشمی، رانا سعید دوشی، خورشید ربانی، شہاب صفدر، طاہر شیرازی، اکبر معصوم، عابد سیال، شناور اسحاق، ارشد نعیم، علی یاسر، قاسم یعقوب، پرویز ساحر اور ظہور چوہان کے اسما شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فیض احمد فیض (مضمون) مشمولہ: **معیار** فیض نمبر؛ دہلی؛ ۱۹۸۷ء؛ ص ۱۱۲۔
۲۔ **اُردو ادب کی تحریکیں**؛ کراچی، انجمن ترقیِ اُردو؛ سوم ۹۷۔۱۹۹۶ء؛ ص ۵۷۹/۸۰۔
۳۔ **پاکستانی غزل**؛ کراچی، ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان؛ اول ۱۹۹۷ء؛ ص ۵۸۔
۴۔ **اُردو شاعری کا مزاج**؛ لاہور، مکتبۂ عالیہ؛ ۱۱واں ایڈیشن ۱۹۹۹ء؛ ص ۲۹۶۔